© rasailojaraid.com



# آیت ''تمکین'' اور خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ. وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم دیں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔ (سورۃ الحج، آیت ۴۱)

''مَکَّنَّا'' مکانہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں مرتبہ، قوت اور طاقت۔ فلاں شخص، فلاں شخص کے ہاں مقیم ہے یعنی نمایاں مرتبہ رکھتا ہے۔ ''مکانۃ'' اس مرتبے اور درجے کو کہتے ہیں جو کسی کو کسی بادشاہ کے دربار میں مل جائے اور ''تَمَکَّنَ مِنَ الشَیءِ وَاسْتَمْکَنَ'' کا مطلب ہے کہ وہ کامیاب ہوگیا۔

آیت تمکین سے پہلی دو آیات (۳۹،۴۰) میں یہ بتایا گیا ہے کہ: جن مسلمانوں سے کافر جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں بے شک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے۔

یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجد یں بھی ڈھادی جاتیں جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا، اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ بڑی قوتوں والا، بڑے غلبے والا ہے۔

اس کے بعد آیت تمکین میں ان ہی مظلوم مہاجرین کو ''تمکنت فی الارض'' کی بشارت دینے کے علاوہ نظام حکومت کے بنیادی اصول بتائے گئے ہیں۔

مشہور مفسر امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس آیت کا مصداق اول مہاجرین وانصار ہیں لیکن وہ لوگ بھی اس کا مصداق ہیں جو اخلاص کے ساتھ ان کی تابعداری کرتے ہوں۔

ابوالعالیہ، ضحاک اور ابن ابی نجیح فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حکمرانوں کے لیے ہدایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو ملک اور سلطنت عطا فرمادیں تو وہ اپنے اقتدار میں یہ کام کریں گے جو خلفائے راشدین نے کیے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جلد ۱۲، صفحہ ۷۳۔ تحت الآیۃ)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

پھر اللہ تعالیٰ کی اس خبر کا وقوع اس طرح ہوا کہ چاروں خلفائے راشدین اور مہاجرین ''الَّذِينَ اُخْرِجُوا'' کا مصداق صحیح تھے......اسی لیے علما نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ خلفائے راشدین سب کے سب اسی بشارت کے مصداق ہیں اور جو نظامِ خلافت ان کے زمانے میں قائم ہوا وہ حق وصحیح اور عین اللہ تعالیٰ کے ارادے اور رضا اور پیشگی خبر کے مطابق ہے۔

یہ تو اس آیت کے شانِ نزول کا واقعاتی پہلو ہے لیکن ظاہر ہے کہ الفاظِ قرآن جب عام ہوں تو وہ کسی خاص واقعہ میں منحصر نہیں ہوتے، ان کا حکم عام ہوتا ہے۔ اسی لیے ائمہ تفسیر میں سے ضحاک نے فرمایا کہ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے ہدایت بھی ہے جن کو اللہ تعالیٰ ملک وسلطنت عطا فرما دیں کہ وہ اپنے اقتدار میں یہ کام انجام دیں جو خلفائے راشدین نے اپنے وقت میں انجام دیے تھے۔ (معارف القرآن جلد ۶، صفحہ ۲۷۱)

مولانا محمد امین احسن اصلاحی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

دنیا میں مسلمانوں کے اقتدار وتمکین کی پہلی بشارت یہی ہے، جس کا آغاز حرم کی سرزمین سے ہوتا ہے (کیونکہ) اس کی حیثیت ملّت کے قلب کی ہے۔ اسی کے صلاح وفساد پر تمام ملّت کے صلاح وفساد کا انحصار ہے۔ بعینہ یہی فریضہ مسلمانوں پر اس سرزمین کے لیے عائد ہوتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ ان کو اقتدار بخشے۔ اگر وہ یہ فریضہ ادا نہ کریں تو اللہ کے نزدیک جس طرح دوسروں کا تسلط ناجائز ہے اسی طرح ان نام نہاد مسلمانوں کا تسلط بھی ناجائز ہے۔ (تدبر قرآن جلد پنجم، صفحہ ۲۵۸)

مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمود اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

اس آیت میں اسلامی حکومت کی تعریف، اس کے مقاصد اور طریق کار کا ذکر ہے لہٰذا جہاں مساجد کو مضبوط کرنا ضروری ہے وہاں بیت المال کے نظام کو اور دیگر احکام کو نافذ کرنا بھی ازحد ضروری ہے۔ (تفسیر محمود جلد دوم، صفحہ ۴۴۸)

مولانا صلاح الدین یوسف اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

اس آیت میں اسلامی حکومت کے بنیادی اہداف اور اغراض ومقاصد بیان کیے گئے ہیں جنہیں خلافت راشدہ اور قرن اول کی دیگر اسلامی حکومتوں میں بروئے کار لایا گیا اور انہوں نے اپنی ترجیحات میں ان کو سرفہرست رکھا تو ان کی بدولت ان حکومتوں میں امن وسکون بھی رہا اور مسلمان سربلند وسرفراز بھی رہے۔ آج بھی سعودی عرب کی حکومت میں بحمد اللہ ان چیزوں کا اہتمام ہے تو اس کی برکت سے وہ اب بھی امن وخوش حالی کے اعتبار سے دنیا کی بہترین اور مثالی حکومت ہے۔ (قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر، صفحہ ۹۲۶۔ مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس)

مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں کہ:

یہ آیت شریفہ دو پیش گوئیوں پر مشتمل ہے: ایک یہ کہ مہاجرین کو زمین میں اقتدار (تمکین فی الارض) عطا کیا جائے گا۔ دوم یہ کہ ان کے دورِ اقتدار میں ان سے جو چیز ظہور پذیر ہوگی وہ ہے اقامتِ دین (صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ) امر



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

اس وعدہ الٰہی کے مطابق مہاجرین اوّلین میں ان چار اکابر کو جنہیں خلفائے راشدین کہا جاتا ہے، اقتدار عطا کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ یہی حضرات اس آیت شریفہ کے وعدہ کا مصداق تھے اور ان ہی کے حق میں مندرجہ بالا پیش گوئیاں پوری ہوئیں اور ان حضرات نے اقامتِ دین کا فریضہ انجام دیا۔ (اختلاف امّت اور صراطِ مستقیم، صفحہ ۱۹۷)

یہ بات صحیح ہے کہ حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم مہاجرین اوّلین میں سے ہیں، ان کے دور میں خلافت کے مقاصد بھی پورے ہوئے، وہ زمرۂ خلفائے راشدین میں بھی شامل ہیں اور ان کی خلافت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع و اتفاق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی منشا اور مرضی کا اظہار ہے لیکن یہ بات ضرور قابلِ غور ہے کہ کیا خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کو ''مہاجر'' ہونے کی بنا پر ''خلفائے راشدین'' کہا جاتا ہے یا بسبب صحابیت ''رشد و ہدایت'' اور آیت تمکین میں بیان کردہ نظام حکومت کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں مقاصدِ خلافت کے حصول میں بے مثال کامیابی کی وجہ سے؟ نیز کیا خلیفہ راشد کے لیے مہاجر ہونے کی شرط بھی لازمی اور ضروری ہے؟

جہاں تک خلیفہ راشد کے لیے مہاجر ہونے کی شرط کا تعلق ہے تو ابتدائی گیارہ صدیوں میں اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں ''ہجرت'' کی شرط کا دور دور تک کوئی نام و نشان ہی نہیں ملتا بلکہ ان کتب میں سرے سے خلافت راشدہ کی بحث ہی نہیں پائی جاتی۔ صرف شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ انہوں نے سب سے پہلی ''خلافت راشدہ'' کے موضوع پر مفصّل گفتگو فرمائی چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے کہ:

> ''منجملہ لوازم خلافت خاصّہ کے ایک یہ ہے کہ خلیفہ مہاجرین اوّلین میں سے ہو......''
>
> (ازالۃ الخفاء جلد اوّل صفحہ ۴۳)

زیر بحث آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام نے دو پیش گوئیوں کا ذکر کیا ہے: اوّل یہ کہ مظلوم مہاجرین (جنہیں قتال کی اجازت دی جا رہی ہے) کو زمین میں اقتدار عطا کیا جائے گا۔ اور دوم یہ کہ وہ اپنے اقتدار کو آیت میں مذکور مقاصد کے حصول کے لیے ہی استعمال کریں گے۔

تاریخ شاہد ہے کہ انہیں جب اللہ تعالیٰ کی اس خبر اور پیش گوئی کے مطابق زمین میں تمکّنت و اقتدار عطا کیا گیا تو انہوں نے ان ہی مقاصد کے حصول کے لیے اسے استعمال کیا لہٰذا بلا شک و شبہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم ترتیبِ خلافت کے مطابق اس آیت کے اوّلین مصداق ثابت ہوئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم پر ''خلافت راشدہ'' ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی اور ان کے بعد آنے والے خلفاء اپنے ادوار میں مقاصد خلافت حاصل کرنے اور استحقاقِ خلافت کی شرائط پر پورا اترنے کے باوجود زمرۂ خلفائے راشدین میں شامل ہونے اور آیت تمکین کا مصداق ہونے سے خارج متصور ہوں گے۔

آیت تمکین سے خلافت کے لیے ہجرت کا شرط ثابت کرنا محلِ نظر ہے۔ مہاجرین اوّلین میں سے تقریباً تیس



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سال (۱۱ھ......۴۰ھ) تک حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا انتخاب بطور خبر اور پیش گوئی کے اس طرح عمل میں آیا ہے جس طرح ''الائمۃ من قریش'' کی پیش گوئی کے مطابق ۹۱۰ سال تک قریش میں ہی خلافت کا قیام عمل میں آیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں آیت تمکین کی رو سے انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو ''ہجرت'' کی شرط پر پورا نہ اترنے کی بنا پر خلافت کے لیے ''نا اہل'' نہیں قرار دیا گیا۔ اس اجتماع میں ''الائمۃ من قریش'' کی صدا تو گونجی ہے لیکن ''الائمۃ من المہاجرین الاوّلین'' کی صدا کسی نے بلند نہیں کی۔

اگر بالفرض خلیفہ راشد کے لیے ''ہجرت'' کی شرط کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت بطور تتمّہ بھی خلافت راشدہ سے خارج ہو جائے گی کیونکہ مشہور قول کے مطابق ان کی ولادت ہی بعد از ہجرت رمضان ۳ھ میں ہوئی ہے جب کہ وہ بطور صحابی یقیناً خلیفہ راشد ہیں۔

اگر خلیفہ راشد کے لیے ''مہاجر'' ہونے کی شرط ضروری ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کے بعد جب ان سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تھا تو وہ ضرور ''آیت تمکین'' کے مطابق ہدایت جاری فرماتے جب کہ اس وقت تیس سالہ مدت خلافت راشدہ میں سے بھی چھے مہینے ابھی باقی تھے۔

یا پھر اہل حل وعقد خود ہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بجائے آیت تمکین کے مصداق کسی مہاجر صحابی کو منصبِ خلافت تفویض کر دیتے حالانکہ اس وقت ''مہاجرین اوّلین'' بھی موجود تھے بالخصوص حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (یکے از عشرہ مبشرہ) متوفّٰی ۵۱ھ، ۵۴ھ، ۵۸، علیٰ اختلاف الاقوال۔ (جن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے موقع پر فرمایا تھا ''ارم یا سعد فداک ابی وامّی'' نیز جو حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی طرف سے بحیثیت والی عراق فرائض بھی انجام دے چکے تھے اور سب سے بڑھ کر جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ہی کی طرح خلافت کا اہل سمجھ کر چھ رکنی خلافت کمیٹی میں شامل فرمایا تھا) اس منصب کے سب سے زیادہ مستحق تھے مگر مذکورہ اوصاف کے حامل ہونے کے باوجود انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ منتخب نہیں کیا گیا۔ علاوہ ازیں خود مہاجرین اوّلین یا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی خلیفہ کے لیے مہاجر ہونے کو ضروری قرار نہیں دیا۔ اگر خلیفہ کے لیے آیت تمکین کی رو سے مہاجر ہونا ضروری ہوتا تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اس مقصد کے لیے کبھی اکٹھے نہ ہوتے کیونکہ وہ زیر بحث آیت کا مفہوم اپنے ''اخلاف'' سے یقیناً بہتر سمجھتے تھے۔ اگر خلافت کے لیے ''ہجرت'' کی شرط لازمی ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے استخلاف کی بات نہ کرتے (مسند احمد) یا اپنے بعد سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے کی تمنا نہ کرتے، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تجویز پر سکوت اختیار نہ فرماتے۔ اگر آیت تمکین کے تحت یہ شرط ضروری ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین اوّلین کی موجودگی میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتخاب کبھی نہ کرتے۔

اگر علی سبیل التنزل کسی درجے میں ہجرت کی شرط کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہ صرف



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



باعتبار مقاصدِ خلافت، شرائط، اہلیتِ خلافت، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ’’الراشدون‘‘ کی سندِ الٰہی کے حامل ہونے کی وجہ سے خلیفۂ راشد ہیں بلکہ زیر بحث آیت تمکین کی رو سے شرطِ ہجرت پر بھی پورے اترتے ہیں۔

امام ابن اثیر (م ۶۳۰ھ)، امام ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) اور حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے بروایت ابن سعد خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے ’’عمرۃ القضاء‘‘ سے پہلے اسلام قبول کیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی اور اپنے اسلام کو اپنے والدین سے مخفی رکھا پھر جب ان کے والد کو اس حقیقت کا علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا بھائی یزید تجھ سے بہتر ہے جو اپنی قوم کے دین پر قائم ہے:

وَکَانَ مُعَاوِیَۃَ یَقُوْلَ اَنَّہٗ اَسْلَمَ عَامَ الْقَضِیۃِ وَاَنَّہٗ لقی رَسُوْلَ اللّٰہ صلّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُسْلِمًا وَکَتَمَ اِسْلَامَہٗ مِنْ اَبِیْہِ وَاُمِّہٖ. (اسد الغابہ تحت ذکر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

اسلمت یوم القضیۃ ولکن کتمت اسلامی من ابی ثم علم فقال لی ھٰذا اخوک یزید وھو خیر منک علیٰ دین قومہ......قال معٰویۃ ولقد دخل رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم مکّۃ فی عمرۃ القضاء وانّی لمصدّق بہ. (البدایہ والنہایہ جلد ۸، صفحہ ۱۱۷)

لقد اسلمت قبل عمرۃ القضیۃ......(الاصابہ جلد ۳، صفحہ ۴۳۳)

علامہ ابن حجر الہیتمی المکّی لکھتے ہیں کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بعد حدیبیہ کے اسلام لائے اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حدیبیہ کے دن اسلام لائے مگر انہوں نے اپنے والدین سے اپنا اسلام پوشیدہ رکھا تھا (یہاں تک کہ اسے) فتح مکہ میں ظاہر کیا۔ اس بنا پر وہ واقعہ عمرہ (یعنی عمرۃ القضیۃ) میں جو حدیبیہ کے بعد ۷ھ، میں فتح مکہ سے ایک سال پہلے ہوا تھا مسلمان تھے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو امام احمد نے امام باقر سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے میں نے مروہ کے پاس رسول اللہ کے بال کترے تھے۔

اصل حدیث صحیح بخاری میں بواسطہ طاؤس حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے قینچی سے رسول اللہ کے بال کترے تھے۔

اس میں مروہ کا ذکر نہیں ہے۔ یہ دونوں روایتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ واقعۂ عمرہ میں مسلمان تھے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بال نہیں کتروائے بلکہ بالاتفاق منیٰ میں بال منڈوائے تھے، پس یہ بال کا کتروانا عمرۃ (القضا) کے علاوہ اور کسی موقع پر نہیں ہوا۔ اگر کہا جائے کہ شاید عمرہ جعرانہ میں یہ واقعہ بال کترنے کا ہوا ہو جو فتح مکہ اور ہزیمت حنین کے بعد اخیر ۸ھ، میں ہوا جب کہ حنین کے قیدی اور اموال جعرانہ میں لائے گئے تھے۔

تو میں جواب دوں گا کہ عمرہ جعرانہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت شب پوشیدہ طور پر ادا کیا تھا۔ اسی وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس (عمرہ) کا انکار کیا ہے۔ (تطہیر الجنان واللسان، صفحہ ۷۔ الفصل الاوّل تحت فی اسلام معاویہ رضی اللہ عنہ)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ''مُحَلِّقِيْنَ رُءُ وْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ'' (سورۃ الفتح، آیت ۲۷) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: صحیح بخاری میں ہے کہ اگلے سال عمرہ قضا میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک قینچی سے تراشے تھے، یہ واقعہ عمرۂ قضا ہی کا ہے کیونکہ حجۃ الوداع میں تو آپ نے حلق فرمایا ہے۔

(معارف القرآن جلد ہشتم، صفحہ ۹۰)

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے پہلے عمرۃ القضا کے موقع پر اسلام قبول کرلیا تھا۔ دیگر اقوال کے مقابلے میں خود صاحب معاملہ کے اپنے قول کو بہرحال ترجیح دی جائے گا، اس کے علاوہ یہ بھی مسلّمہ حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کر کے مستقل طور پر مدینہ منورہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ اگر ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ''لا ہجرۃ بعد الفتح'' کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو پھر سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں کس حیثیت سے آباد ہوئے تھے؟

اگرچہ شارحین حدیث نے ''لا ہجرۃ بعد الفتح'' کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت واجب نہیں رہی تھی۔

امام ابوداؤد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

**عن معاوية قال سمعت رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم يقول لا تنقطع الهجرة حتىٰ تنقطع التوبة، لا تنقطع التوبة حتىٰ تطلع الشمس من مغربها.**

(سنن ابی داؤد جلد اوّل کتاب الجہاد، باب فی الہجرۃ ہل انقطعت، صفحہ ۳۴۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہجرت ختم نہ ہوگی جب تک توبہ ختم نہ ہو اور توبہ ختم نہ ہوگی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

امام احمد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے پہلے ایک ''مذاکرہ'' نقل کیا ہے جس میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ آیا ہجرت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے یا باقی ہے؟

بعض ہجرت کے انقطاع کے قائل تھے جب کہ بعض اس کے باقی رہنے کے قائل تھے تو اس موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیر بحث مسئلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محوّلہ بالا فیصلہ کن ارشاد سنایا تھا۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ''ہجرت'' نبوت کی طرح کوئی منصب نہیں تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد ختم ہو گیا تھا بلکہ ایک عمل خیر کا نام ہے جو اجتماعی طور پر توبہ کا دروازہ بند ہونے کے ساتھ ہی ختم ہوگا۔ (یہ ملحوظ رہے کہ انفرادی طور پر توبہ کا دروازہ آدمی کی جان کنی کے وقت ختم ہوتا ہے) اور قیامت تک دوسرے اعمال کی طرح یہ عمل بھی جاری رہے گا۔

ہجرت کے جاری رہنے کی تائید قرآن کریم کی حسب ذیل آیت سے بھی ہوتی جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ: **اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ**



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا. جولوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں، تم کس حال میں تھے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم زین میں کمزور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ (سورۃ النساء، آیت ۹۷)

یہاں ''فی الارض'' سے مراد باعتبار شان نزول مکّہ مکرمہ اور اس کا قرب و جوار ہے اور آگے ''ارض اللہ'' سے مراد مدینہ منورہ ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے بعض پہلی جگہ سے مراد ''ارض کفار'' ہوگی جہاں اسلام پر عمل مشکل ہو اور ''ارض اللہ'' سے مراد ہر وہ جگہ ہوگی جہاں انسان اللہ کے دین پر عمل کرنے کی غرض سے ہجرت کر کے جائے۔

جہاں تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام اور ان کی ہجرت کا تعلق ہے تو وہ بعینہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام اور ہجرت کی طرح ہے۔ ان کا مدینہ منورہ میں مستقل قیام بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ انہوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد قیام کی اجازت ہی نہیں دی تھی بلکہ ان کا ایک انصاری کے ساتھ بھائی چارہ بھی قائم کر دیا تھا۔ چنانچہ مشہور سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب سیرت رحمۃ للعالمین کی جلد سوم صفحہ ۳۶۸ پر مواخات مدینہ کی ایک فہرست پیش کی ہے جس میں چوبیسویں نمبر پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے کہ ان کے بھائی انصار میں سے حتات بن بشر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اوّلین کے بعد ہجرت کرنے والوں کو بھی حفظ مراتب اور درجات میں تفاوت کے باوجود ان ہی میں شمار کیا ہے:

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ م بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ.

اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا تمہارے ساتھ مل کر تو وہ بھی تم ہی میں سے ہیں اور رشتہ دار (ورثہ میں) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں حکم الٰہی کے مطابق، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (سورۃ الانفال، آیت ۷۵)

پیر کرم شاہ صاحب ازہری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: یعنی صلح حدیبیہ سے پہلے ہجرت کرنے والوں اور نصرت دین کے لیے سر بکف میدان میں آنے والوں کا مقام بے شک بہت بلند ہے لیکن اس کے بعد بھی جو ہجرت کر کے آیا اور اسلام کی سر بلندی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا وہ بھی احکام شرعیہ اور دیگر تمام سیاسی حقوق میں یکساں ہیں۔ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی نصرت بھی ضروری ہوگی اور ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے۔

ہجرت کے بعد حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین میں جو بھائی چارہ اور مواخاۃ قائم کی تھی اس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے۔ اس آیت میں توارث کا یہ طریقہ منسوخ قرار دے دیا گیا اور صرف قریبی رشتہ داروں میں وراثت محدود کر دی گئی۔ (ضیاء القرآن جلد دوم، صفحہ ۱۷۱)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سورہ الانفال کی مذکورہ آیت کے بھی مصداق ہیں کیونکہ انہوں نے قبول اسلام کے بعد ہجرت بھی کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت وقیادت میں فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین وطائف اور غزوہ تبوک میں بھی بھرپور حصہ لیا۔(ملاحظہ ہو: منہاج السنۃ جلد اوّل، الجزء الثانی صفحہ ۳۱۴)

مزید برآں! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا دعویٰ بھی یہی تھا کہ وہ مہاجرین میں شامل ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث نقل کی جس میں بتایا گیا کہ ایک موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف آپ ہماری مدد سے کیوں باز رہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک وجہ میرے شریک نہ ہونے کی یہ بھی ہے کہ میں مہاجرین سے لڑنا نہیں چاہتا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''اَوَلَسْنَا مُهَاجِرِيْنَ'' کیا ہم لوگ مہاجر نہیں ہیں؟ میں (یعنی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا: اسی وجہ سے تو ہم آپ سے اور ان سے دونوں سے الگ رہے۔(ازالۃ الخفاء جلد اوّل، صفحہ ۴۱۸)

اس روایت سے بھی یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو مہاجرین میں سے سمجھتے تھے اسی لیے جب انہوں نے صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے مہاجر ہونے کا دعویٰ کیا تو انہوں نے اسے درست اور صحیح تسلیم کرتے ہوئے اپنے غیر جانب دار ہونے کی ایک وجہ قرار دیا۔

ایک صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دعویٰ ہجرت تسلیم کر لیا مگر سخت حیرت ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہ کہہ کر اسے مسترد کر دیا کہ ''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو ہجرت کے ان دونوں معانی میں فرق معلوم نہیں ہوسکا اسی وجہ سے انہوں نے علی الاطلاق کہہ دیا کہ ہجرت تا قیامت باقی ہے۔''(حوالہ مذکور، صفحہ ۴۱۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دعویٰ ہجرت پر شاہ صاحبؒ کا یہ تبصرہ یقیناً محل نظر اور باعث تعجب ہے۔ بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں اپنے مستقل قیام، دعویٰ ہجرت اور تحصیلِ علم کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت میں غزوات میں شرکت (جسے شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کی ہجرت قرار دیا ہے) کی بنا پر بھی مہاجرین میں شامل ہیں جس سے وہؓ شاہ صاحبؒ کی شرطِ ہجرت کے مطابق بھی آیت تمکین کا مصداق بن جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمکین کے لیے دعا بھی فرمائی تھی، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی لکھتے ہیں کہ: روایت کیا ابن عساکر نے سلمہ بن مخلد سے، کہا کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے کہتے تھے: یا اللہ اس کو کتاب سکھایئے اور ملک میں اس کو تمکین (اقتدار) عطا کیجئے اور اس کو عذاب سے بچایئے۔(ازالۃ الخفاء جلد چہارم، صفحہ ۵۱۶)

اس کے برعکس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمکین کو ''دینی تمکین'' قرار نہیں دیتے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ: باقی رہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہیں



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تھی، تمکین ملک وسلطنت تھی ۔ چنانچہ واقفانِ سِیَر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفا اربعہ کے اطوار اور انداز اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اطوار اور انداز میں زمین آسمان کا فرق تھا، ان کی گذران فقیرانہ اور زاہدانہ تھی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا طور ملوک کا سا تھا۔ اس لیے اہلِ سنت ان کو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں، خلفا میں نہیں گنتے ملوک میں شمار کرتے ہیں لیکن ملوک میں بھی فرق ہے۔ (ہدیۃ الشیعۃ، صفحہ ٦٦ ۔ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

حضرت نانوتویؒ کی اس رائے کے ساتھ اتفاق نہیں کیا جاسکتا کہ ”انہیں تمکینِ دین حاصل نہ تھی بلکہ تمکین ملک و سلطنت حاصل تھی اور ان کے اطوار و انداز میں اور خلفائے اربعہ کے اطوار و انداز میں زمین آسمان کا فرق تھا“

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تمکین ملک وسلطنت کے ساتھ ساتھ یقیناً تمکین دین بھی حاصل تھی۔ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ”اور تمکین دین ان کو حاصل تھی کیونکہ ان کا دین وہی تھا جو حضرات خلفا ثلاثہؓ کا تھا۔“ (تحفہ اہل سنت، صفحہ ۲۵ ۔ مطبوعہ تحریک خدّام اہل سنت پاکستان)

تو اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے پیش رو خلفا راشدین کا دین مختلف تھا؟ آیئے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے پوچھ لیتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ صفّین کے بعد حسب ذیل ایک گشتی مراسلہ جاری کیا کہ: **والظاهر انّ ربّنا واحد و نبيّنا واحد و دعوتنا في الاسلام واحدة لا نستزيدهم في الايمان باللّٰه والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا.** ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے، ہمارے نبی ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں ہماری اور ان کی دینی حالت ایک جیسی ہے۔ (نہج البلاغہ جلد دوم، صفحہ ۱۱۴)

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دینی و دنیوی تمکین حاصل تھی۔ ان کا بھی وہی دین تھا جو ان کے پیش رو خلفا کا تھا اور وہی دین ان کے عہد خلافت راشدہ میں رائج اور غالب تھا اور یہی تمکین دین ہے جو دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کا نتیجہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یوں دعا فرمائی کہ:

**اللّٰهم علّمه الكتاب و مكّن له في البلاد وقه العذاب.**

اے اللہ! انہیں قرآن کا علم سکھا دے اور ملک میں انہیں تمکین دے اور انہیں عذاب سے محفوظ رکھ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸، صفحہ ۱۲۱)

جہاں تک خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے طور و انداز میں زمین و آسمان کے فرق کا تعلق ہے تو ان کے ”طور و انداز“ کی توثیق دو خلفائے راشدین حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے کی تھی۔

علامہ عبدالعزیز فرہاروی لکھتے ہیں کہ: ”**و امّا معاوية فهو ان لم يرتكب منكراً لكنّه توسّع في المباحات**“ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گرچہ کوئی منکر اور خلاف شرع کام ہرگز نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے مباحات



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے استعمال کرنے میں فراخی سے کام لیا۔(النبراس شرح لشرح العقائد صفحہ ۵۱۱)

معلوم نہیں کہ ”توسّع فی المباحات“ سے کون سے حدود ٹوٹ گئی ہیں، دین میں کیا تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں اور کیا اسے زمین وآسمان کا فرق کیا جاسکتا ہے؟

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:”**والجهاد فی بلاد العدوّ قائم و کلمة اللّٰه عالية و الغنائم ترد اليه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة و عدل وصفح وعفو.**“ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں دشمنوں کے ممالک میں جہاد جاری رہا، اللہ کا کلمہ سربلند رہا اور اطراف واکناف سے مالِ غنیمت کی ریل پیل جاری رہی اور مسلمان ان کے زیرِ سایہ راحت وعدل اور عفو ودرگذر کی زندگی بسر کرتے رہے۔(البدایہ والنہایہ جلد ۸، صفحہ ۱۱۹)

کیا اس طرح کی تمکین کے حاصل خلیفہ کے متعلق ایک لمحہ کے لیے بھی یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ ”اسے تمکین دین نہیں بلکہ تمکین ملک وسلطنت حاصل تھی“؟

مذکورہ تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دنیوی تمکین کے ساتھ ساتھ دینی تمکین بھی حاصل تھی اور وہ ہر اعتبار سے آیت تمکین کا مصداق ہیں اور یقیناً ایک خلیفہ راشد ہیں۔

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

علماءِ حق کا ترجمان
المیزان
ناشران وتاجرانِ کتب
دینی، تاریخی، سیاسی، ادبی اور اصلاحی کتابوں کا معیاری ادارہ
دینی مدارس کے طلباء کے لیے وفاق المدارس کا تمام نصاب سب سے زیادہ رعایتی قیمت پر

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7122981-7212762



© rasailojaraid.com